رسائل و مسائل

بہار کا خونین حادثہ اور مسلمان

سوال:- ایک طرف تو میرا ہر روز خیال یہ ہے کہ جو کچھ ہنگامے اور خانہ جنگیاں اس وقت ملک میں برپا ہیں اور آئندہ کے لیے جن کے بہت سے امکانات ابھر آئے ہیں وہ تمام تر مسلمانوں کی غیر اسلامی کوششوں اور غیر مسلموں کے قومی تعصب کا نتیجہ ہیں۔ اور ہم چونکہ تمام بنی نوع انسان کی اصلاح چاہتے ہیں، ہر ایک کو فلاح کی دعوت دینے والے ہیں اور ہر گروہ اور قوم کے یکساں خیر خواہ ہیں، اس لیے ہمیں بلا تخصیص ہر مظلوم و بیکس اور گرفتار بلا کی اعانت کرنی چاہیے اور اس میں کسی قسم کے قومی تعصب کو اثر انداز نہ رہنے دینا چاہیے۔ دوسری جانب آج تین چار دن سے مجھے اس خیال نے بیتاب کر رکھا ہے کہ وہ مظلومین جو ہر اس ظالمانہ طریق سے ستائے گئے ہیں جو انسانی ذہن میں آسکتا ہے، اور جن کی جانیں ہی نہیں، بلکہ عصمتیں اور آبروئیں، اور یہی نہیں بلکہ دین اور ایمان بھی سیلاب جفا کا لقمہ ہو رہے ہیں ــــ صرف اس لیے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے رسول کے پیرو اور مسلمان کہلاتے ہیں اور اسی پر قائم رہنا چاہتے ہیں، بجز اس کے جن کا کوئی جرم ثابت نہیں ہے، کیا ان مظلومین کے بارے میں ہم لوگ اس وقت مالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا، الخ کے اولین مخاطب نہیں ہیں؟ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ ہیں اور ضرور ہیں! اس کی وجہ یہ کہ ہماری ہی جماعت عین اسلامی طریق پر ایک امیر کی قیادت میں فی سبیل اللہ جد وجہد کر رہی ہے۔ پھر ان مظلومین کی حمایت میں ہم صرف نرم قدم اٹھانے کا فیصلہ کیوں کر رہے ہیں؟

میرے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے کہ کسی سخت اقدام کے لیے مادی سازوسامان کی کوئی خاص مقدار ضرور فراہم ہونی چاہیے اور اگر ایسی کوئی حد مقرر کی بھی جائے تو وہ پہلے اسلامی مرکز کی حد ہو سکتی ہے۔ اس خیال سے بھی میری تشفی نہیں ہوتی کہ ہماری اخلاقی قوت و تربیت اس لائق نہیں ہے کہ ہم مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ایسے کسی معیار پر ہم صدیوں میں بھی نہ پہنچ سکیں اور یوں بھی صحابہ کے درجہ کو پہنچنا تو موجودہ دور میں محال ہے، کیونکہ وہ براہ راست رسول صلعم کی سیرت سے فیضیاب تھے، خود ان صحابہ میں سے جو لوگ سابقون الاولون میں تھے ان کے درجہ کو دوسرے حضرات ایمان و عمل کے اعلیٰ درجے طے کرنے کے باوجود نہ پہنچ سکے! پھر یہ نظریہ بھی مجھے مطمئن نہیں کرتا کہ یہ مظلومین اسلام کے سچے فرماں بردار نہیں ہیں اور ایمان کے جملہ مقتضیات پورے نہیں کر رہے ہیں۔ اگر ان کو ایمان عزیز نہ ہوتا تو آخر یہ اپنی جانیں کیوں دیتے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کب تک مکی زندگی کے تصور میں یونہی بیٹھے رہیں گے اور یہ دور کہاں تک طویل ہوگا۔

براہ کرم میری ان ذہنی الجھنوں کو صاف فرما دیجیے۔

جواب:- ہر دردناک حادثہ کی یہ فطرت ہے کہ وہ انسانی جذبات کو متلاطم کر دیتا ہے، بالخصوص جبکہ اس کی لپیٹ میں کوئی ایسا گروہ آ رہا ہو جس سے کسی طرح کے روابط موجود ہوں۔ آپ کے خط سے بھی یہی چیز ظاہر ہوتی ہے، حالانکہ مومن کی اولین خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ غم اور خوشی دونوں کے طوفانوں کے درمیان اپنے ذہنی جہاز کو متوازن رکھتا ہے اور اسے بے لنگر کا جہاز نہیں بننے دیتا۔ دوسری طرف یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ کسی جماعت کے پاس جب قوت کی کچھ بھی پونجی جمع ہو جاتی ہے تو پھر ہر حادثہ اس کو یہی درس دیتا ہے کہ ساری قوت کو یہاں صرف ہو جانا چاہیے، بالکل اسی طرح جیسے کسی کی جیب میں چار پیسے ہوں تو بازار میں رکھی ہوئی ہر چیز اچھل اچھل کے یہ کہتی ہے کہ ان پیسوں کو تو مجھی پر صرف ہونا چاہیے اور پھر کچے مزاج کا آدمی ہوگا تو وہ اول قدم پر ہی جیب خالی کر دے گا اور بعد میں محسوس کرے گا کہ میں نے اصل ضرورت کی چیز تو پیچھے چھوڑ دی۔ جماعتیں بھی اگر جذبات کے تحت سطحی سوچ سے کام لیں تو پہلے قدم پر ہی ساری قوت صرف کر کے اپنے اصل نصب العین کے لیے کچھ پونجی باقی نہیں چھوڑتی ہیں، لیکن اگر وہ اپنے فکری توازن

کو برقرار رکھتی ہیں تو ماحول کی چھوٹی چھوٹی اکساہٹوں کو نظر انداز کرتی ہوئی قوت کے سارے تیر اصل نصب العین کے ہدف پر پڑتی ہیں اور کامیاب رہتی ہیں اور جب تک یہ آخری موقع نہیں آتا ضمنی مواقع سے قوت کا خزانہ بچاتی ہوئی گذر جاتی ہیں۔ مثلاً اس بہار ہی کے خونیں حادثہ کو دیکھیے تو یہ حادثہ گویا یہ چاہتا ہے کہ ہم اپنی ساری جماعتی قوت اسی میں جھونک دیں، مگر نگاہیں اگر ٹھیک نصب العین پر جمی رہیں تو ہم قوم پرستانہ تاثرات کے گرداب سے جماعت کا سفینہ بخیر و خوبی نکال کے لے جا سکتے ہیں اور ایک حد تک مظلومین کی اس سے بہتر امداد بھی کر سکتے ہیں جو دوسری جماعتیں کرنا چاہتی ہیں یا کر رہی ہیں۔

یہ بات آپ نے صحیح نہیں لکھی کہ مسلمان قوم نے کوئی جرم نہیں کیا، لیکن بہار میں اس پر خواہ مخواہ قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ اس دعویٰ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی دنیا میں یا تو کوئی قانون سرے سے رائج ہی نہیں ہے یا ہے تو وہ قانون عدل نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قوموں اور جماعتوں کو تاریخ میں جو بھی حالات پیش آتے ہیں وہ خود ان کی کارگذاریوں کے فطری نتائج ہوتے ہیں اور بالکل اللہ تعالیٰ کے حکیمانہ اور عادلانہ قوانین کے تحت رونما ہوتے ہیں۔ ہر قوم خزانہ ربی سے وہی کچھ پاتی ہے جو کچھ وہ جمع کراتی رہتی ہے جس نے حسن عمل کی دولت جمع کرائی اس نے فلاح پائی اور جس نے غلط کاریوں کا خزانہ بھرا اس نے عذاب کا مزا چکھا۔ وما ظلمنٰھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔

مسلمانوں نے ہندوستان میں جو غلطیاں کی ہیں ان کی لمبی داستانوں سے قطع نظر کرکے اگر دور رواں کی ایک ہی غلطی کو آپ پیش نظر رکھیں تو آپ کی موجودہ رائے کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہتی۔ کیا یہ کوئی معمولی درجہ کی غلطی ہے کہ ہم نے اسلامی اصولوں اور اسلامی سیرت کی صحیح نمائندگی کرنے کے بجائے اپنے آپ کو غیر اسلامی فکر و عمل سے آراستہ کیا اور نفس شریر کے خلاف جنگ آزما ہونے کے بجائے قومی اور گروہی موہوموں سے دنیا پرستی کی لڑائی شروع کردی اور اس کے ساتھ اسلام کا نام لینے اور اسلام کی نمائندگی کرنے کی جو چاٹ نسلاً بعد نسل پڑی چلی آرہی تھی اس کا مظاہرہ بھی ہوتا رہا۔ یہ جرم اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے مقابلہ میں اب تک جو کچھ ہمیں پیش آیا ہے وہ بہت ہی کم ہے اور آئندہ جو کچھ پیش آسکتا ہے اس کے تصور سے خدا کے قوانین مکافات عمل کی سمجھ بوجھ رکھنے والے خیر خواہان مسلمین کے دل کانپ اٹھتے ہیں،

مگر مشیتِ الٰہی کے ڈنڈے کھا کر بھی اس قوم کی آنکھیں نہیں کھل رہی ہیں۔

آپ نے یہ غلط ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کا کوئی جرم اس کے سوا نہیں کہ وہ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ بخلاف اس کے حقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر اس طرح کا ایمان نہیں رکھتے جس طرح کے ایمان کا مطالبہ قرآن نے کیا ہے۔ اگر یہ شے فی الواقع ان میں ہوتی تو ہندو قوم کے کچھ ادنیٰ لوگ جہاں ان پر ظلم ڈھانے والے ہوتے وہاں اس کا صالح عنصر پورے کا پورا زبان سے اگر نہیں، تو کم از کم دل سے ضرور ان کے ساتھ ہوتا۔ پاکیزہ اصولوں اور اعلیٰ اخلاق کے اسلحہ کے ساتھ اگر کوئی گروہ کام کرنے اٹھے اور کسی مادی غرض کے بجائے محض اخلاقی مقاصد اس کے سامنے ہوں تو اس کا مقابلہ کوئی قوت جم کر نہیں کر سکتی۔ جو جماعت اپنے عمل سے یہ ثابت کر دے کہ وہ "بزنس" کے لیے نہیں بلکہ خدمت کے لیے نمودار ہوئی ہے، پیٹ کے لیے نہیں بلکہ دل و دماغ کے لیے میدان میں آئی ہے، ظالم بننے کے لیے نہیں بلکہ ظالموں کا سدباب کرنے کے لیے وجود پذیر ہوئی ہے وہ اگر بلحاظ تعداد صرف دو افراد پر بھی مبنی ہو اور اس کے مقابلہ میں چالیس کروڑ باشندوں کی متحدہ قوت بھی زور آزما ہو تو بھی اس کی شکست سہل نہیں، بلکہ اس کی فتح اللہ کے ہاں مقدر ہو جاتی ہے، چاہے خود اس کے روبرو ظاہر ہو یا اس کے بعد میں آنیوالی کسی وارث طاقت کے ہاتھوں تکمیل پائے — کیونکہ حق و عدل کی حمایت میں کھڑے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ خود خدا کی قوتیں پشت پناہی کرنے والی ہیں اور حق و عدل کی مخالفت کرنے والے ایک صالح جماعت سے نہیں بلکہ خود خدا کی تقدیر سے لڑتے ہیں۔ اس فلسفہ کی روشنی میں آپ خود سوچ کر فیصلہ کیجیے کہ مسلمان کیا کسی ایسے ہی موقف پر کھڑے ہیں یا اس کے بخلاف کسی مادہ پرستانہ اور قوم پرستانہ مقصد پر قوتیں صرف کر رہے ہیں؟ پھر کیا وجہ ہے کہ روپے اور عہدوں اور اختیارات کی لڑائی لڑتے ہوئے جب یہ کسی طاقتور قوم سے چپت کھا جائیں تو اسلام کا واسطہ دیں کہ ہم صرف اس وجہ سے ظلم سہ رہے ہیں کہ خدا و رسول پر ایمان رکھتے ہیں؟ آخر یہاں خدا پرستی کا اور اخلاق اسلامی کا اور دعوت الی الحق کا اور خدمت انسانیت کا کونسا ایسا مظاہرہ تم نے کیا ہے جس کی بنا پر بے قصور مظلومیت کی داستان سنائی جا سکے؟ اگر مجرد ان کا دین اسلام پر ایمان رکھنا وجہ فساد ہوتا تو اس کے لازمی آثار یہی ہو سکتے تھے کہ انھوں نے اپنے ماحول میں

زبان اور عمل سے مسلسل اس چیز کی طرف دعوت دی ہوتی جس پر وہ ایمان رکھتے تھے اور پھر اس دعوت کے زیر اثر غیر مسلموں کو اصل نفرت اس چیز سے پیدا ہو جاتی اور وہ اس کی روک تھام کے لیے داعیوں پر ظلم ڈھاتے۔ مگر یہاں اس قسم کی کوئی بات بھی نہیں ہے۔ بلکہ بہار کے ہندوؤں نے مسلمانانِ بہار کو ایک ایسی حریف قوم کے افراد سمجھا ہے جو ان کی اپنی قوم کے خلاف سیاسی اور معاشی میدانوں میں کشمکش کر رہی ہے۔

"ما لکم لا تقاتلون" کا خطاب نبی صلعم کی اس جماعتِ مقدسہ سے تھا جو ان تمام شرائط کو پورا کر چکی تھی جو قتال کے لیے لازمی ہیں۔ جیسا کہ یہ بات ہماری طرف سے پہلے بھی واضح کی جا چکی ہے کہ آغاز قتال کے لیے شرعاً کچھ شرائط کا پورا کر لینا واجب ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جماعت صالحہ وجود میں آ چکی ہو، دوسری یہ کہ وہ جماعت دورِ دعوت الی الحق کو عبور کر چکی ہو اور اب اتمام حجت کے بعد تلوار سنبھالے، تیسری یہ کہ وہ ایک بااختیار امارت کے تحت ہو یعنی ایسی امارت جس کے اوپر کوئی بااقتدار قوت اللہ کے سوا موجود نہ ہو۔ نبی صلعم کی جماعت مدنی دور میں پہنچ کر ان جملہ شرائط کو پورا کر چکی تھی، لیکن آپ جنھوں نے ان شرائط میں سے کسی شرط کو بھی پورا نہیں کیا ہے اپنے آپ کو کس طرح اس حکم کا مخاطب بنا سکتے ہیں اور ان شرائط کو پورا کیے بغیر قتال کا آغاز کرنا محض افساد فی الارض ہے، اور کچھ نہیں۔

اس کے ہم بھی قائل نہیں کہ قتال کے لیے مادی قوتوں کی کوئی حد بندی شریعت میں کی گئی ہے، بلکہ جتنی قوت بھی مہیا ہو سکے اسی کو اللہ کے بھروسہ پر کافی سمجھ کر حکمت سے صرف کیا جا سکتا ہے، اور معرکۂ بدر کا سا معجزانہ اقدام بھی کیا جا سکتا ہے، مگر کم از کم مندرجہ بالا شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے اور غازیانِ بدر انھیں پورا کر کے میدان میں آئے تھے۔

آپ کا یہ ارشاد بھی بجا کہ صالح جماعت کے لیے یہ لازم نہیں کہ وہ ہر پہلو سے مرتبۂ سابقون الاولون کو پہنچ چکی ہو، مگر قتال کے لیے کسی جماعت کے جماعتِ صالحہ ہونے کی جو کم سے کم شرائط ہیں، موجودہ احوال میں ہم میں وہ بھی نہیں پائی جاتیں۔ ہم دورِ دعوت میں ہیں اور ہماری بیچارگیوں کا عالم یہ ہے کہ شریعت کے بعض اجزا پر تو ہم عمل پیرا ہو سکتے ہیں مگر دوسرے بہت سے اجزا میں نظام طاغوت کے تسلط کی وجہ سے ہم اضطراری رخصتوں سے فائدہ اٹھانے پر مجبور ہیں اور بہت سی آلودگیاں ہیں بالجبر گھیرے

ہوئے ہیں۔ اس حال میں ہم بالارادہ تو ضرور جماعت صالحہ ہیں مگر بالفعل ہم پوری طرح جماعت صالحہ نہیں بن سکے اور جماعت صالحہ ہونے کی بہت سی شرائط پوری کرنی ابھی باقی ہیں۔ علاوہ بریں ہم نے دعوت اقامت دین کا فریضہ کما حقہ ادا نہیں کیا ہے اور جس حد تک حق کا پیغام اتمام حجت کے لیے ہمیں ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچانا چاہیے اور جس تسلسل سے ہمیں اپنے عمل سے دین اسلام کے حق ہونے کی شہادت دینی چاہیے، اس کا عشر عشیر بھی اتمام پذیر نہیں ہوا، پھر ہمیں کیا حق ہے کہ وقت سے پہلے اپنے حق کی شہادت تلوار سے دینا شروع کر دیں۔ جس طبیب نے سوسائٹی کے پھوڑوں کا علاج مرہم سے اور داخلی ادویہ سے کیا ہی نہیں، اس کا یہ کام نہیں کہ وہ اس کے اعضا کی قطع و برید شروع کر دے۔ یہ تو خدا کے بندوں پر ظلم ہوگا اور اس ظلم کا حساب خدا کی عدالت میں دینا پڑے گا۔

باقی رہا یہ امر کہ کب یہ شرائط قتال پوری ہوں گی اور کب یہ کمی دور ختم ہوگا سو اس معاملہ میں ہم کوئی ٹائم ٹیبل اللہ کے ہاں سے معلوم نہیں کر سکتے کہ اس کی مشیت کب ہماری مساعی کو تکمیل تک پہنچائے گی۔ اتنی بات البتہ ہم جانتے ہیں کہ دیر ہوگی تو بہر حال ہماری سست کاری سے ہوگی، ورنہ اللہ کی رحمت ہر وقت مساعی کا حساب چکانے کو تیار رہے۔ پس ہمارا کام یہ ہے کہ دور دعوت کے فرائض کی انجام دہی میں سر توڑ کوشش کریں اور آئندہ کے مراحل کی سوچ میں گھلنے کے بجائے موجودہ مرحلہ کو طے کرنے کی فکر کریں۔

زکوٰۃ کی وصولی و صرف کا اجتماعی نظام

سوال:۔ جماعت اسلامی اس وقت الجماعت کی حیثیت رکھتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو مجلس شوریٰ کا یہ فیصلہ کہ ارکان جماعت اپنی زکوٰۃ لازماً جماعت کے بیت المال میں داخل کریں، کس بنا پر ہے؟ یہ حکم کسی نص پر مبنی ہے یا ایک اجتہادی فیصلہ ہے؟ اگر چند مسلمان مل کر کسی شخص کو اپنا امیر بنا لیں، لیکن شرعاً اس کا مقام امیر المومنین کا مقام نہ ہو تو وہ کیسے یہ فیصلہ دے سکتا ہے کہ ہر شخص کو زکوٰۃ بیت المال میں داخل کرنا واجب ہے؟ کیا اس فیصلہ کے بعد انفرادی طور پر کسی رکن کے زکوٰۃ نکالنے سے فرض پورا نہیں ہوگا؟

یہ بات بھی واضح فرمادیں کہ خلیفۂ اول رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف فیصلہ جہاد دیتے وقت یہ جو فرمایا تھا کہ اگر یہ لوگ اس زکوٰۃ میں سے جو دورِ نبوی میں دیتے رہے ہیں اونٹ باندھنے کی ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ان پر تلوار اٹھاؤں گا۔ کیا اس کا مدعا یہ تھا کہ اگر وہ لوگ نفسِ زکوٰۃ دینے سے انکار نہ کرتے اور اس میں سے کچھ حصہ انفرادی طور پر ادا کر کے خلیفۂ مسلمین کو پورا صدقہ نہ سپرد کرتے تو پھر بھی ان کے خلاف جہاد کیا جاتا؟

بحوالہ رد المحتار یہ معلوم ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب اموال زیادہ ہو گئے تو باجماع صحابہ رضی اللہ عنہم یہ فیصلہ ہوا کہ لوگ بطورِ خود زکوٰۃ ادا کریں۔ سوال یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ کی ادائی اجتماعی نظم سے لازماً متعلق ہوتی تو عین خلافت راشدہ کے دوران میں ایسے فیصلہ کی کیا توجیہ ہوگی؟

جواب:۔ ہم بالفعل تو "الجماعت" نہیں ہیں، کیونکہ ہم کو سیاسی قوت حاصل نہیں ہے لیکن بالارادہ الجماعۃ ہیں۔ ہم اپنے ارکان سے اس وقت اطاعت کا جو مطالبہ کرتے ہیں وہ اس عہد کی بنا پر ہے جو انھوں نے نظمِ جماعت کے اندر رہنے اور اپنے منتخب کیے ہوئے امیر کے ان فیصلوں کی پابندی کرنے کے لیے کیا ہے، جو فیصلے کتاب و سنت کی حدود کے اندر اور خدا و رسول کی رضا کے مطابق ہوں۔ اس عہد کو نباہنے کے وہ شرعاً ذمہ دار ہیں۔

ہمارے نزدیک جو فرائض جماعتی نظم کے تحت انجام پانے چاہییں ان کو انفرادی طور پر انجام دینا جائز نہیں ہے، جبکہ جماعت صالحہ موجود ہو ــــــ اگرچہ اس کی حیثیت معیاری جماعت کی نہ ہو۔ زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کے متعلق یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ وہ ایک صالح اجتماعی نظم کی مقتضی ہے۔

خلیفۂ اول نے جن مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا تھا، وہ کوئی ایک ہی قسم کے لوگ نہیں تھے، بلکہ کچھ تو ایسے مرتدین تھے جو زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ پورے دین کا قلادہ گردنوں سے اتار چکے تھے، اور کچھ وہ تھے جو زکوٰۃ روکنا چاہتے تھے اور ایک گروہ ایسے لوگوں کا تھا جو سارے دین کو قائم رکھنا چاہتے تھے اور زکوٰۃ بھی دینے کے منکر نہیں تھے، مگر ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اپنی زکوٰۃ بطورِ خود جمع و خرچ کریں گے۔ ابوبکرؓ کے

عاملوں کو نہیں دیں گے۔ ایسے ہی لوگوں کا قول تھا کہ :-

اطعنا رسول اللہ اذا کان بیننا فواعجبا ما بال ملک ابو بکر

یعنی جب تک رسول اللہ ہمارے درمیان رہے، ہم نے ان کی اطاعت کی، مگر یا للعجب! ابوبکر کی حکومت کیا حیثیت رکھتی ہے! ان کی بنائے اختلاف یہ تھی کہ رسول اللہ کے بعد جو نظام خلافت قائم ہو اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ نبی کی طرح مسلمانوں کو ایک سیاسی مرکز سے وابستہ رکھے۔ ہم رسول کو اگر اپنے صدقات کے نظام تحصیل و تقسیم کا مرکز مانتے تھے تو اس لیے کہ وہ رسول تھا، مگر اس کے بعد کے لوگوں کو ہم یہ حیثیت نہیں دیتے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان تینوں گروہوں کے متعلق الگ الگ توضیح بھی فرمادی۔ پہلے گروہ کے متعلق تو مجاہدین کے مختلف کمانڈروں کو جو فرمان عام لکھ کر دیا گیا تھا اس میں یہ ہدایت دی گئی تھی کہ مرتدین میں سے جو لوگ دوبارہ اسلام قبول کرلیں اور اس کے اعلان کے طور پر اپنی بستیوں میں اذان پکاریں ان سے جنگ نہ کی جائے اور جن بستیوں سے اسلام قبول کرنے کا یہ اعلان نہ ہو، وہاں کے باشندوں سے پوچھا جائے کہ یہ اعلان کیوں نہیں کیا گیا، پھر اگر وہ ارتداد پر قائم رہیں تو ان کی بستیوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ دوسرے گروہ کے متعلق جو مسلمان رہ کر زکوٰۃ دینے سے انکاری تھا خلیفہ اول نے فیصلہ دیا کہ واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ اور تیسرے گروہ کے متعلق بھی بالتصریح یہ ارشاد فرمایا کہ اس زکوٰۃ میں سے جسے یہ لوگ رسول اللہ کو دیا کرتے تھے، اگر اونٹ باندھنے کی ایک رسی بھی روکیں گے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔ زکوٰۃ کو بالکل روکنے کے معنی اللہ کے حق کو غصب کرنا ہے اور بیت المال کے ذریعے ادا کرنے کے بجائے انفرادی طور پر ادا کرنا بیت المال کا ایک حق مارنا ہے۔ یہ دونوں رویے ایسے ہیں جن کو روکنے کے لیے جماعت اسلامی جہاد کرسکتی ہے۔

ردّ المختار کی جس بات کا حوالہ آپ نے دیا ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زکوٰۃ کی تقسیم کا معاملہ سرے سے جماعتی نظم سے تعلق ہی نہیں رکھتا، بلکہ الٹا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگ اپنی زکوٰۃ انفرادی طور پر نکالنے اور تقسیم کرنے کے صرف اس صورت میں مجاز ہو سکتے ہیں جب کہ امیر کی طرف سے ان کو مجاز کیا جائے۔ نیز حضرت عثمانؓ کے اس فیصلہ سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ زکوٰۃ کی اجتماعی تحصیل

اور اس کے اجتماعی صرف کا نظام قیامت تک کے لیے منسوخ ہو گیا۔ بلکہ ان کے اس فیصلہ کا تعلق ان کے اپنے عہد اور بعد کے اس دور تک سے ہے جس میں جماعت کی رائے میں اس نظم کا دوبارہ قیام مشکل تھا۔ بہرحال نظام جماعت کا کوئی ایسا جزء جس کا شریعت تقاضا کرتی ہو، عارضی صورتوں اور مصلحتوں کی بنا پر عارضی طور پر معطل تو ہو سکتا ہے لیکن کسی کے منسوخ کرنے سے دائمی طور پر منسوخ نہیں ہو سکتا۔

خدا کی صفتِ خلق کی حقیقت

سوال: ۔ ہندو مذہب اسلام کے بارے میں ایک شبہہ ہے، اسے رفع فرما دیں تو بہت سے غیر مسلموں کے لیے مفید ہوگا۔ قرآن میں ہے کہ خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ "کن" یعنی "ہو جا" تو وہ صرف اس کن کے حکم سے ہو جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ خدا کا محض حکم کیونکر دنیا کو بنا سکتا ہے! آخر یہ حکم کسے دیا گیا؟ کون ہو گیا؟ ہمیں اس پر تعجب ہے کہ مسلمان خدا کے سوا کسی اور شے کو قدیم نہیں مانتے، اور کہتے ہیں کہ یونہی خدا نے دنیا پیدا کر لی۔ ہم لوگ تو مادہ، جیو، پرماتما تین چیزوں کو قدیم مانتے ہیں، اور پرماتما نے اسی مادہ اور جیو سے دنیا بنائی ہے۔

جواب: ۔ خدا کی ہستی کے بارے میں کوئی بات سوچتے وقت یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ خدا بھی کوئی انسان کی طرح کی ہستی ہے کہ اسے جب کوئی چیز بنانی ہو تو وہ مسالے کا محتاج ہو، اور اوزاروں کا ضرورتمند ہو اور ہاتھ پاؤں سے کام لینے پر مجبور ہو۔ خدا کے متعلق جتنی غلط باتیں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں وہ صرف اس وجہ سے ہیں کہ عام طور پر خدا کو آدمی کی طرح سمجھا جاتا ہے، حالانکہ آدمی محتاج ہے اور خدا محتاج نہیں۔ خدا تو خدا اسی وجہ سے ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ وہ کوئی شے بنانے کے لیے اس بات کی حاجت نہیں رکھتا کہ کچھ ضروری مسالہ اسے کہیں سے پڑا ہوا مل جائے یا کوئی دوسرا اس کو کہیں سے ضروری سامان لا دے اور پھر وہ اس کی شکلیں بدلتا رہے۔ مثلاً مٹی کو وہ خود پیدا نہ کر سکے بلکہ کہیں سے مٹی مل جائے تو اس کی زمین بنا دے، پتھر وہ پیدا نہ کر سکے، مگر پتھر کہیں سے مل جائیں تو انھیں

جمع کر کے پہاڑ بنا دے، لکڑی خود نہ بنا سکے مگر لکڑی اگر ہاتھ لگ جائے تو اس کی میز کرسیاں کاٹ لے؛ لوہا پیدا نہ کر سکے، مگر کوئی اسے لوہا لادے تو وہ اسے ڈھال کر اس کی تلواریں، برتن اور کدالیں بنا سکے؛ یہ حالت تو آدمی کی ہے کہ وہ مسالہ خود نہیں بنا سکتا مگر مسالہ مل جائے تو اس کی مختلف ضروری چیزیں بنا لیتا ہے۔ خدا اور آدمی کے پیدا کرنے میں فرق یہی ہے کہ خدا مسالہ بھی آپ سے آپ بنا سکتا ہے اور اس کی شکلیں بھی خود بدل لیتا ہے، مگر آدمی ایک حد تک مسالہ کی شکلیں تو بدل لیتا ہے لیکن مسالہ خود بنا نہیں سکتا۔

دوسری بات کہ "کن" کس طرح کہا گیا اور کس سے کہا گیا، اس کے جواب میں بھی پھر وہی بات عرض کرنا پڑے گی کہ خدا کا "کن" کہنا آدمی کے کہنے کی طرح نہیں ہوتا، بلکہ اللہ نے اپنی ایک حقیقت کو انسانوں کے سمجھانے کے لیے اس طریقہ سے بیان کیا ہے کہ انھیں بات سادہ طریق سے سمجھ میں آسکے اور وہ حقیقت صرف یہ ہے کہ خدا جب چاہتا ہے کہ کسی شے کو پیدا کرے یا بنائے تو اسے مسالے کی اور اوزاروں کی کچھ ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس کا ارادہ کر لینا ہی اس کے لیے کافی ہے۔ وہ جب چاہے جھٹ سے کسی شے کو نہ ہونے کی حالت سے نکال کے ہونے کی حالت میں لے آئے اور جب چاہے ہونے کی حالت سے پھر نہ ہونے کی حالت میں لوٹا دے۔

یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں ایسے صاف ستھرے انتظام سے قائم ہے اور اس کی ہر چیز ایسے بکے قانونوں پر چل رہی ہے کہ اسے دیکھ کر آدمی کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسے کس ہستی نے بنایا اور کون اسے باقاعدگی سے چلا رہا ہے، کس کے حکم سے پانی اور ہوا اور بادل اور زمین اور چاند اور ستارے مل جل کر کام کر رہے ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ صحیح طریقے کو چھوڑ کر کسی قسم کی گڑبڑ مچائے۔ ہر چیز ناپ تول کی ہے، حساب کے ساتھ بنی ہوئی ہے، قاعدہ اور ڈھنگ سے بڑھتی اور گھٹتی ہے۔ — آخر یہ کس کی بادشاہی اور کس کا انتظام ہے؟ اس کے بہت سے غلط سلط جواب لوگوں نے سوچے ہیں مگر اسلام اس کا جو جواب دیتا ہے یہ دنیا بھی اسی جواب کی گواہی دیتی ہے۔ یعنی یہ کہ اس دنیا کو بنانے والا کوئی ایسا ہے جو ذرہ سے لے کر سورج تک ہر شے پر پورا قابو رکھتا ہے، ہر شے کا علم رکھتا ہے، ہر شے کے قانون قاعدے بنانے والا ہے — اور یہ اس وجہ سے کہ وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے۔

لیکن یہ کہنا کہ مادہ خود بن گیا اور جتنی ضرورت تھی اتنا ہی بنا اور جن جن کاموں کے لیے آگے چل کے اس کی ضرورت پیش آئی تھی ٹھیک انھیں کے لیے بنا اور اسی طرح روحیں بھی ایک خاص حساب سے بن گئیں اور جیسے ہم ان کو آگے چل کے ملنے جلنے والے تھے انھیں کے مطابق ان میں مختلف طاقتیں بھی خود بخود ایک انتظام کے ساتھ بھر گئیں تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بیچ میں آکے خدا کی ضرورت کیا پیش آتی ہے۔ جیسے اور باتیں خود ہو گئیں روحوں کا اور مادے کا جوڑ بھی خود ہی لگ جانا چاہیے تھا۔ اس طرح کی سوچ سوچنے والے لوگ آخرکار خدا کا انکار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ آخر تین ازلی وجود ماننا زیادہ عقلی بات ہے یا ایک ہستی کو قائم و دائم ماننا زیادہ دانائی کی بات ہے؟ سیدھی بات یہ ہے کہ خدا کو ماننا ہو اور حقیقت ایک سمجھ دار آدمی اسے ماننے پر فطرۃً مجبور ہے تو اسے پورے اختیار والا، طاقت والا اور بنانے مٹانے والا خدا مانا جائے لیکن ایک محتاج اور بے بس ہستی کو جو ایک تنکا بھی خود پیدا نہ کر سکے، خدا ماننے سے حاصل کیا ہے؟ ایسے خدا کو ماننے سے تو وہ سوال حل نہیں ہوتا جو ہر انسان کے دل کا پہلا سوال ہے!

آخر میں یہ بات مخلصانہ مشورہ کے طور پر عرض کر دوں کہ اگر آپ فی الحقیقت سچائی کی تلاش کا جذبہ رکھتے ہیں اور اپنی زندگی کو سچ کی بنیادوں پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں تو یہ مناسب نہیں ہے کہ کسی دین یا مذہب یا فلسفے کو پوری طرح دیکھنے کے بجائے آپ بیچ میں سے اس کا کوئی ٹکڑہ نکال لیں اور اس پر سوچنے لگیں۔ اسلام کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا چاہیں تو اسلام کو ایک ڈھنگ سے پہلے جانیں اور پھر سوچیں۔ اس معاملہ میں آپ کی امداد کے لیے ہم آپ کو اپنے ہاں کے لٹریچر میں سے "سلامتی کا راستہ"، "دین حق"، "اسلام اور جاہلیت"، اور "رسالہ دینیات" پڑھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

عصمت کی حفاظت کے لیے خودکشی

سوال: بہار کے خونیں ہنگامہ کے دردناک واقعات معلوم کر کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یوں تو ہر ستم جو توڑا جا رہا ہے قیامت سے کم نہیں مگر خصوصیت سے مسلمان عورتوں کی آبروؤں عصمت پر جو حملے کیے جاتے ہیں وہ کسی بھی درجہ میں قابلِ برداشت نہیں ہیں مسلمان

عورتوں کو بولیاں دے دے کے بدمعاش ایک دوسرے کے ہاتھ نیلام کرتے ہیں اور کبھی برسرِ عام انھیں برہنہ کر دیا جاتا ہے، اس حال میں بعض شرفا کی عورتوں نے اپنی عصمتوں کی حفاظت کے لیے چھتوں سے کود کر یا کنوئیں میں گر کر جانیں دیدی ہیں۔ یہ میرا آنکھوں دیکھا واقعہ ہے کہ ایک اعلیٰ گھرانہ پر جب اشرار کا حملہ ہوا تو صاحب خانہ نے گھر کی چھوٹی بڑی ساری عورتوں کو صحن کے کنوئیں میں گر کر مرجانے کا حکم دیا اور مستورات نے اس کی تعمیل کی، اس کے بعد صاحب خانہ بدمعاشوں کے غول کے سامنے تنہا مقابلہ کے لیے ڈٹ گئے اور پینتیس کی جان لے چکنے کے بعد خود بھی شہید ہو گئے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ ہم کو بھی یہی حالت پیش آجائے تو کیا یہی طریقہ اختیار کرنا مناسب ہوگا؟

جواب: جن مستورات نے اس طریق سے جانیں دی ہیں، ان کے متعلق تو کوئی کلام کرنا ہمارا کام نہیں ہے، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ ان کا اس طرح مرنا کیا نتائج رکھتا ہے خدا ان کی مغفرت فرمائے۔ اصولاً ہمیں یہ معلوم ہے کہ خودکشی کی موت مرد اور عورت دونوں کے لیے ممنوع قرار دی گئی ہے جس واقعہ کا آپ نے ذکر کیا ہے اس میں جو صورت خود صاحب خانہ نے اختیار کی تھی، دراصل وہی گھر کی مستورات کے لیے بھی صحیح تھی۔ اسلام کا تقاضا مسلمان مردوں کی طرح مسلمان عورتوں کے لیے بھی یہی ہے کہ وہ جان یا مال یا عصمت پر حملہ کرنے والے دشمن کی پوری قوت سے مزاحمت کریں، چاہے ان کی قوت کتنی ہی کم ہو اور مقابلہ کی جو بھی صورت اختیار کرنی ممکن ہو، اسے اختیار کریں، تاآنکہ ان کی زندگیاں ختم ہو جائیں یا وہ دوسروں کے پنجۂ ظلم میں اسیر و بے بس ہو کے رہ جائیں۔ قوت اور تدبیر دونوں کے ذریعہ پورا مقابلہ کرنے کے بعد اگر کوئی عورت کسی بدمعاش کے ہاتھ سے اپنی آبرو نہ بچا سکے تو عنداللہ وہ بری الذمہ ہے اور اگر حملہ آور کے ہاتھ سے اس کی موت واقع ہو جائے تو وہ شہید ہے۔

اسلام جہاں اس پر زور دیتا ہے کہ دوسروں پر دست تعدی دراز نہ کیا جائے وہاں وہ یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ اگر کوئی ظالم آپ پر حملہ آور ہو تو اس کا مقابلہ کرنے میں قوت کی آخری رمق تک صرف کی جائے۔ اس کے بعد اگر کوئی زیادتی ہوتی ہے تو معذوری اور بے بسی ہے۔ یہ مطالبہ مرد اور عورت، بوڑھے اور جوان

سبھی کے لیے یکساں ہے، اور کسی کو یہ اجازت نہیں کہ اس مطالبہ سے کترا کے خود کشی کر لے۔

شیطانی وساوس

سوال:- چند روز سے میرے ذہن میں ایسے لغو خیالات آرہے ہیں جن سے خود میری طبیعت کو شدید تکلیف ہوتی ہے مگر میں ان سے کسی طرح نجات نہیں پا رہا ہوں اور بہت پریشان ہوں۔ خدا کی عبادت کرتے ہوئے اور خدا سے دعا مانگتے ہوئے جب ذات باری تعالیٰ کی طرف دھیان جاتا ہے تو خدا تعالیٰ کی شان کے خلاف ناقابل بیان خیالات دماغ سے ابھرنے لگتے ہیں، مثلاً نعوذ باللہ ایک خیال آیا کہ خدا فلاں برائی کر سکتا ہے ـــ حالانکہ میرا دل ایمان کی روشنی سے منور ہو چکا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی جملہ پاکیزہ صفات پر یقین رکھتا ہوں۔ بہر حال ایسے خیالات کے آنے پر استغفار پڑھتا ہوں اور پھر یہ غائب ہو جاتے ہیں، مگر کچھ دیر بعد پھر ان کا اعادہ ہوتا ہے۔ آخر یہ کیا حالت ہے اور کیوں ہے؟ میں اس پر کیسے قابو پا سکتا ہوں؟

جواب:- یہ حالت جس کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، کم و بیش ہر اس شخص کو پیش آتی ہے جو غلط راستے پر چلتے چلتے صراطِ مستقیم کی طرف رخ پھیرنا چاہتا ہے۔ درحقیقت جب شیاطین یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا کوئی وفادار آلۂ کار ہاتھوں سے جاتا ہے تو وہ اس پر بہت سخت حملہ بولتے ہیں اور شکوک و شبہات اور متضاد افکار و احساسات کی الجھنوں میں الجھاتے ہیں، حتیٰ کہ عبادات میں بھی کیف و سکون کا کوئی عنصر باقی نہیں رہنے دیتے۔ تاکہ سٹپٹا کے وہ شخص پھر ٹیڑھے راستے پر چلنے لگے۔

خود صحابہ کرام کو اس قسم کے مکروہ وساوس کے خلاف شکایت پیدا ہوئی تھی اور یہ سوال نبی صلعم کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے توضیح فرما دی کہ ان وساوس پر اگر آدمی متنبہ ہو جاتا ہے اور محسوس کر لیتا ہے اور وہ انھیں نوچ کے الگ کرتا رہتا ہے تو پھر یہ ایمان کی علامت ہے۔ کافر کے دل میں اور مومن کے دل میں فرق یہی ہے کہ کافر کا دل یا تو بنجر ہوتا ہے اور یا پھر جنگل کی طرح ہر شے اس میں اگتی اور

بڑھتی چلی جاتی ہے، نہ کوئی نگرانی کا سامان ہوتا ہے، نہ کاٹ چھانٹ کا اہتمام، مگر مومن کا دل زندہ بہت زرخیز بھی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا احساس فضول اور مضر روئیدگیوں کو چھانٹتا بھی جاتا ہے اور مفید پودوں کی آبیاری اور حفاظت کا خاص اہتمام بھی رکھتا ہے۔ اس طرح افکار و اعمال صالحہ کا ایک خوشنما چمن زار تیار ہو جاتا ہے۔

بس آپ اس کا اہتمام کیجیے کہ جو اچھا خیال ذہن میں آئے اسے دیر تک روک رکھیے اور دل میں جذب کر لیجیے اور اپنے اعمال میں اسے ساری کر لینے کی سعی کرتے رہیے اور جو برا خیال سامنے آئے اسے نفرت کے ساتھ دماغ سے نکال پھینکیے اور اعمال پر اثر انداز ہونے سے روکیے نیز شیطان جب بھی وسوسہ اندازی کرے تو اپنے آپ کو اس کے مقابلہ میں خدا کی پناہ میں دیجیے اور خدا کے ذکر کے ساتھ خدا کی صفات اعلیٰ کا تصور ذہن میں استوار کیجیے۔ نماز اور انفاق فی سبیل اللہ اور اقامت دین کی مساعی میں جتنا جتنا انہماک آپ بڑھاتے جائیں گے، انشاء اللہ اتنا ہی اتنا آپ کا قلب وساوسِ شیطانی سے محفوظ ہوتا جائے گا۔ یہ چیز بھی بڑی حد تک موثر ہو سکتی ہے کہ آپ بری سوسائٹی اور برے ماحول سے بچیں اور اچھی سوسائٹی اور اچھا ماحول اپنے لیے تلاش کریں۔

جماعتِ صالحہ میں فقہی اختلافات کی جائز حدود

سوال:۔ روداد جماعت اسلامی حصہ اول کے صفحہ ۱۰ پر لکھا ہوا ہے کہ "ہم سب جزئیات و فروع میں اختلاف رکھتے ہوئے اور ایک دوسرے کے بالمقابل بحث و استدلال کرتے ہوئے بھی ایک جماعت بن کر رہ سکتے ہیں"۔ سوال یہ ہے کہ کیا کسی مختلف فیہ مسئلہ میں اگر مجلسِ شوریٰ یا امیر جماعت کسی امر جزئی کو جماعت کے لیے لازم قرار دیدے تو ایک رکن جماعت کو اختیار ہے کہ وہ اس کے علی الرغم اپنی رائے پر عمل کرتا رہے ــــ خصوصاً اس صورت میں جب کہ امیر جماعت یا مجلس شوریٰ کے فیصلہ کی تائید میں کوئی نص صریح موجود نہ ہو۔

دوسری دریافت طلب چیز یہ ہے کہ ایک شخص اگر امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے فقہا حنفیہ

کی تقلید اُس حد کے اندر کرنا چاہتا ہو جہاں تک ان ائمہ کے فیصلے کسی نص سے متعارض نہ ہوں اور اجتہادِ سلف کو موجودہ زمانہ کے اجتہادات پر ترجیح دیتا ہو، تو کیا اسے جماعت اسلامی میں اس کے مسالک میں کوئی رکاوٹ ڈالے بغیر لیا جا سکتا ہے؟

جواب: - تمام اجتماعی اور سیاسی مسائل میں ہر رکن کے لیے امیر جماعت اور شوریٰ کے فیصلوں کی پابندی لازمی ہے، اگرچہ وہ رائے کی حد تک ایسے فیصلوں سے اختلاف کر سکتے ہیں اور کوئی مختلف مسلک بربنائے اجتہاد نظری طور پر پسند کر سکتے ہیں۔ عمل میں اجتہادی اختلاف صرف ان امور میں رکھا جا سکتا ہے جن کی کسی مستقل شکل کا پوری جماعت کے لیے متعین کر دینا اور جماعتی نظم یا پالیسی کا ایک جزو بنا دینا ضروری نہ ہو۔ مثلاً رفع یدین، آمین بالجہر، جرابوں پر مسح کرنے نہ کرنے میں لوگ آزاد ہیں۔ لیکن وہ مسائل جو براہ راست جماعت کے اجتماعی نظام اور اس کے پروگرام سے متعلق ہوں، ان میں بہرحال امیر جماعت کا فیصلہ سب کے لیے واجب القبول ہوگا اور رایوں کے اختلاف کے باوجود اس کا عملی اتباع کیا جائے گا۔

سوال کے دوسرے جز کے جواب میں واضح رہے کہ اگر کوئی شخص کسی امام کا پیرو ما وافق الکتاب والسنۃ کی حد تک ہے اور اسی حد تک وہ اجتہادات سلف کا بھی پابند ہے، اس کے لیے جماعت کے ساتھ چلنے میں کوئی روک نہیں ہے، بشرطیکہ وہ خلف کے لیے اجتہاد کو حرام نہ سمجھتا ہو اور اجتہادی اختلافات کو کشادہ دلی سے گوارا کر سکے۔

موجودہ ہڑتالیں اور حق پسند مسلمان

سوال: - موجودہ نظام میں کمزور مظلومین کے مطالبات کو منوانے میں ہڑتال ایک کامیاب حربہ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ شریعت اسلامی بھی کیا اس حربہ کو جائز تسلیم کرتی ہے؟ اس اصولی سوال کے ساتھ یہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ پچھلے دنوں کچھ لوگ اپنے محکمے کے کارکنوں کی ایک ہڑتال میں باقاعدہ شرکت کر چکے ہیں۔ یہ شرکت اس حلفیہ عہد نامہ کے ساتھ تھی کہ ہڑتالی یونین جب تک اجازت نہ دے گی کام شروع نہ کیا جائے گا۔ اب ہڑتال ہونے کا اثر یہ ہوا کہ حکومت نے معقول اضافہ منظور کیا

میں کر دیا، مگر پھر بھی ہڑتالی یونین نے ہڑتال ختم نہیں کی، بلکہ مطالبات اور زیادہ بڑھا دیے۔ اس حال میں بعض لوگوں نے ہڑتال کا جاری رکھنا خلافِ انصاف و دیانت سمجھ کر یونین کے پروگرام سے بے تعلقی کا فیصلہ کر لیا اور کام شروع کر دیا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ رویہ اس حلف نامہ کے خلاف ضرور ہے اور اسی وجہ سے ایسے لوگوں کو غدار، بے ایمان اور عہد شکن وغیرہ کہا جا رہا ہے۔ اگر جماعت اسلامی کے متاثرین اور ہمدردان کو ایسے حالات پیش آجائیں تو انھیں کیا کرنا چاہیے۔

جواب:- موجودہ نظام باطل میں مزدوروں، حکومت کے ملازموں اور عام پبلک کے بالکل ابتدائی حقوق کا بھی کما حقہٗ احترام نہیں پایا جاتا اور نہ لوگوں کی تکالیف کو دور کرنا اور ان کو سہولتیں بہم پہنچانا اس کا منتہا ہے، بلکہ ستم یہ کہ مظلومین کے جائز مطالبات جب تک جائز ذرائع سے سامنے آتے ہیں تو ان پر اس نظام کے خداوند کوئی غور کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے اسی نظام کے پرورش کردہ لوگ جواب میں جائز مطالبات کو جائز ذرائع سے پیش کرنے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ وہ بھی ناجائز مطالبات کو ناجائز ذرائع سے منوانے پر اتر آتے ہیں۔ ان حالات میں ایک حقیقی مسلمان کی نگاہ میں جزئی مسائل کے لیے ہڑتالیں کرنے نہ کرنے کا سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا، کیونکہ اس کے سامنے تو اس نظام کو از سرتاپا بدلنے کا سوال در پیش اور اسلام کے علمبرداروں کا واحد مطالبہ اس نظام سے یہی رہ جاتا ہے کہ وہ اپنے پرپرزے سمیٹ کر ایک پاکیزہ اور منصفانہ نظام کے لیے جگہ خالی کر دے۔

جو لوگ حق اور انصاف کے قائل ہیں اور دوسروں کو حق اور انصاف کا قائل کرنا چاہتے ہیں وہ اگر مزدوری یا تنخواہ دار کارکنوں کی پوزیشن میں ہوں تو ان کے لیے لازم ہے کہ وہ پہلے اپنا تشخص الگ قائم کریں اور اپنے آپ کو حق اور انصاف کے حامیوں کی حیثیت سے پوری طرح روشناس کرائیں۔ اس کے بغیر ان کو یہی مشکل پیش آئے گی کہ ان کے عام ہم پیشہ جب کبھی ہنگامے کریں گے اور جائز مطالبوں کے ساتھ ناجائز مطالبے بھی منوانے کی تدبیریں کریں گے تو یا تو وہ ان سے الگ رہ کر مطعون بنیں گے، یا پھر صحیح و غلط ہر کام میں ان کا ساتھ دے کر اپنے اصول و مسلک اور اپنے ضمیر کی خلاف ورزی کریں گے۔ بخلاف اس کے اگر وہ اپنا تشخص قائم کر لیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابتداءً وہ اسی قابل ہوں گے کہ بے انصافی کے مقابلہ میں راستی

اور انصاف کا ساتھ دیں اور بے انصافی کا ساتھ دینے سے انکار کر دیں اور آگے چل کر ان کو یہ حیثیت حاصل ہو جائے گی کہ جو انصاف کو چاہے گا وہ ان کو اپنا پیشوا بنائے گا۔

یہ بات آپ کو خود اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کسی ایسی ہیئت اجتماعی یا جماعتی تحریک میں جو خدا و رسول کے دین سے آزاد واقع ہوئی ہو، غیر مشروط طور پر حلفیہ عہد ناموں کے ساتھ شرکت کرنا ہی فی نفسہ غلط ہے۔ ایسی شرکت کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ایک شخص جس رویہ کو انصاف اور ایمانداری کی بنا پر اختیار کرتا ہے وہی اس کی غیر مشروط شرکت اور حلفیہ عہد کی وجہ سے بے انصافی اور بے ایمانی بن جاتا ہے۔ ایک غیر دینی تحریک اور نظام کے اندر دیندار آدمی کا کوئی مقام نہیں۔

قواعد ایجنسی

وہ حضرات جو پہلے سے رسالہ ترجمان القرآن کے ایجنٹ ہیں یا اب ایجنسی لینا چاہتے ہیں، ان کے لیے قواعد ذیل کی پابندی ضروری ہے:۔

(۱) ۵ پرچوں سے کم خریداری پر ایجنسی نہیں دی جاتی۔

(۲) کمیشن کی شرح ۲۵ ٪ بالکل قطعی ہے۔

(۳) ایجنسی کے سلسلہ کے پرچے بک پوسٹ یا رجسٹرڈ روانہ نہیں کیے جا سکتے، بلکہ کمیشن منہا کر کے بقیہ رقم کا وی، پی کیا جائے گا تا کہ حساب صاف رہے۔

(۴) محصول ڈاک میں سے ۳ ؍ فی پیکٹ ایجنٹ کے ذمہ ہو گا، بقیہ دفتر خود برداشت کرے گا۔

(۵) مطلوبہ پرچوں کی تعداد میں کمی بیشی کی اطلاع ہر مہینہ کے پہلے ہفتہ میں پہنچ جانی چاہیے۔ (مینجر)

ترجمان القرآن کے پرانے پرچے (دلمبر)

ترجمان القرآن کے فائل مکمل کرنے کے لیے جن اصحاب کو حسب ذیل پرانے پرچوں کی ضرورت ہو، وہ فی پرچہ ۸ ؍ (علاوہ محصول ڈاک) کے حساب سے قیمت بھیج کر طلب فرما سکتے ہیں یا وی، پی۔

(۱) سنہ ۱۳۵۲ھ :۔ ماہ رجب۔ ماہ ذی الحجہ۔ (۲) سنہ ۱۳۶۲ھ :۔ جمادی الاول، جمادی الآخر، رجب و شعبان۔ رمضان و شوال

(۳) سنہ ۱۳۶۳ھ :۔ ذی القعدہ و ذی الحجہ۔ (۴) سنہ ۱۳۶۴ھ :۔ ذی القعدہ و ذی الحجہ۔

(۵) سنہ ۱۳۶۵ھ :۔ محرم۔ جمادی الاول۔ جمادی الثانی۔ رجب۔ شعبان۔ رمضان۔ شوال۔ ذی القعدہ ذی الحجہ۔

"مینجر"